جموں وکشمیر میں اردو سفرناموں کی روایت

ڈاکٹر شاہ فیصل

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور حکومت میں اردو زبان و ادب خصوصاً ارد و نثر کو پھلنے اور پھولنے کا موقع میسر ہوا۔ مہاراجہ کے دور حکومت میں ان کے ایک وزیر دیوان کرپارام نے سرکاری انتظام و انصرام سے متعلق ساری رپورٹیں فارسی کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں بھی مرتب کرائیں۔ یہاں سے ہمیں جموں وکشمیر میں اردو نثر کے ابتدائی نقوش دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جموں وکشمیر میں اردو سفرنامے کا جہاں تک تعلق ہے، اس سلسلے میں بھی مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور کا ذکر ضرور آتا ہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں ان کے دربار سے وابستہ ایک وزیر مہتا شیر سنگھ کی قیادت میں ایک وفد ترکستان کے سفر پر روانہ ہوا، یہ وفد ترکستان سے گزرتے ہوئے افغانستان، ختن سے ہوکر لداخ کے راستے سے واپس وارِدِ کشمیر ہوا۔ شیر سنگھ کے اس سفر کی روداد ''سفرنامۂ بخارا'' میں ملتی ہے۔ اس سفرنامہ کو اولیت کا درجہ حاصل ہے اگرچہ سفرنامے کا مقصد پڑوسی ممالک کے ساتھ تجارتی روابط قائم کرنا تھا۔ اس اعتبار سے اس سفر نامے میں فنی لحاظ سے کئی کوتاہیاں رہی ہونگیں یا یوں کہیں کہ فن کی کسوٹی پر یہ سفرنامہ

پورا نہیں اترتا تاہم تاریخی اعتبار سے اسے اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ بہرحال یہ دور خطۂ جموں وکشمیر میں سفرنامہ کے حوالے سے ایک عبوری دور کہا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد سالگ رام سالکؔ نے ایک سفرنامہ ''تحفۂ سالک'' کے نام سے لکھا۔ سالگ رام سالک کے بعد صنفِ سفرنامہ کی روایت میں ایک طویل وقفہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کے آخر میں ادیبوں، شاعروں، دانشوروں اور صحافیوں کی ایک ایسی کھیپ سامنے آئی جنہوں نے اس صنف کی آبیاری کرکے سفرناموں کے کئی مجموعے سامنے لائے۔ اس طرح یہ ایک باقاعدہ صنف کے روپ میں جموں وکشمیر میں نکھرنے لگی۔ اس سلسلے میں ملک راج صراف، جگن ناتھ آزاد، حامدی کاشمیری، ثناء اللہ بٹ، سید وجہہ اندرابی، غلام نبی خیال، صوفی غلام محمد، غلام نبی شیدا کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی سبھی سفرنامے کتابی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ باقی جموں وکشمیر کے مختلف اخبارات و رسائل میں قسط وار شائع ہوئے ہیں۔ خطہ جموں کے نامور صحافی ملک سراج صراف نے 1979 میں پاکستان کا سفر کیا۔ جس کی روداد انہوں نے اپنے سفرنامے ''پاکستان کی یاترا'' میں پیش کی ہے۔

مشہور صحافی اور روزنامہ آفتاب کے مدیر خواجہ ثناءاللہ بٹ نے اپنا سفرنامہ بعنوان 'سفرنامہ پاکستان' اپنے ہی اخبار 'آفتاب' میں قسط وار شائع کیا۔ اس سفرنامے میں دوستوں و احباب کا احوال جابجا ملتا ہے۔ جن محفلوں اور مجلسوں میں خواجہ صاحب نے شرکت کی، اُن کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ قاری بھی اُن محفلوں میں شریک نظر آتے ہیں۔

''انجمن آرزو'' حامدی کشمیری کا ایک ادبی سفرنامہ ہے۔ یہ سفر انہوں نے

جنوری 1986 میں ہندوستان کے نمائندہ ادیبوں کے ایک وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے پاکستان کیا تھا۔اس سفر میں ان کی اہلیہ مریم حامدی بھی ان کے ہمراہ تھی۔

اس سفر نامے میں حامدی کاشمیری تاریخی مقامات اور شہری رنگینیوں کے بجائے کانفرنس میں رونما ہونے والے ماحول،ادبی بحث ومباحث اور دیگر علمی سرگرمیوں اور یادوں میں ہی محو نظر آتے ہیں۔تاہم جہاں جہاں بھی جاتے ہیں یا جس جگہ یا مقام سے اُن کا گزر ہوتا،اُس مقام یا جگہ کا پوری نقشہ پوری تاریخ کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری خود کو اس سفر کا حصہ محسوس کرتا ہے۔

جولائی 1979ء میں غلام نبی خیال نے عراق کا سفر کیا اور اپنے مشاہدات اور تجربات کو''سفر نامہ عراق'' کے نام سے پیش کیا۔صدام حسین کے دور حکومت میں عراق ہر سال جولائی کے مہینے میں یوم انقلاب کا جلسہ منعقد کرتا تھا۔اس جلسے میں بیرون ممالک کے صحافیوں کی بھی موجودگی رہتی تھی۔اسی ایک جلسے میں شرکت کی غرض سے غلام نبی خیالؔ نے بحیثیت صحافی عراق کا سفر کیا۔لیکن ان کے اندر کا سیاح بیدار رہا اور جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اسے قلمبند کیا۔اس سفر کی روداد انہوں نے اپنی ہی ادارت میں شائع ہونے والے اخبار'اقبال' میں 9 جنوری 1980 سے لے کر اپریل 1980ء تک 44 قسطوں میں شائع کی۔

اس سفر نامہ کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ سفر نامہ اپنے دامن میں عراق کے بہت سے دلچسپ پہلوؤں کے علاوہ وہاں کی تہذیب،تاریخ،جغرافیہ،ثقافت اور علم وادب وغیرہ کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔انہوں نے نہایت باریک بینی سے عراق کے عروج وزوال کی داستان قارئین کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے جو دستاویزی

اہمیت رکھتا ہے۔انھوں نے ایک مورخ کی طرح معلومات کی شیرازہ بندی ہے۔

عبدالغنی شیخ لداخی کو بچپن سے ہی گھومنے پھرنے اور سیاحت کا شوق ہے جس کا اظہار انہوں نے اپنے سفرناموں میں کئی جگہوں پر کیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے بچپن میں ایک ڈائری سجا رکھی تھی جس میں دنیا کے بڑے بڑے مما لک کی سیاحت اور سیر کے خواب سجائے رکھے تھے۔وقت کے ساتھ ساتھ قدرت نے ان خوابوں کو حقیقت میں بدل دیا اور انہوں نے تقریباً ایک درجن سے زائد مما لک کا سفر کیا ہے۔اُن میں سے بیشتر اسفار کی روداد انہوں نے لکھی ہے جو ملک کے مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔حال ہی میں جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز کی جانب سے عبدالغنی شیخ پر ایک خصوصی شمارہ ترتیب دیا گیا۔اس شمارے میں عبدالغنی شیخ کے دو سفرنامے میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ان سفرناموں میں انہوں نے چار مما لک کے اسفار کی روداد بیان کی ہے۔پہلا سفرنامہ ''سفرنامہ روم واستنبول'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے جبکہ دوسرا سفرنامہ ''سفرنامہ انگلستان اور برازیل'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ایک اور سفرنامہ 'سفرنامۂ ایران' کے نام سے رسالہ 'آج کل' میں شائع ہو چکا ہے۔

عبدالغنی شیخ لداخی نے ستمبر 2007ء میں روم اور استنبول کا سفر اختیار کیا۔اُن کا سفرنامہ 'سفرنامہ روم واستنبول' انہیں دو شہروں کی یادگار ہے۔یہ سفرنامہ 23 صفحات پر مشتمل ہیں۔اس سفرنامے میں شیخ صاحب نے روم کے سفر کا ذکر صرف 6 صفحات میں جبکہ استنبول کے سفر کی روداد 17 صفحات میں پیش کی ہے۔

7 ستمبر تا 10 ستمبر 2007ء انٹرنیشنل ایسوسی ایشن فار لداخ سٹڈیز (IALS) کی طرف سے چار روزہ سمینار میں شرکت کی غرض سے انہوں نے روم کا

سفر کیا۔اس سمینار میں انہوں نے اپنا ایک مقالہ بعنوان ''لداخ میں صوفیانہ روایات'' پیش کیا۔سمینار کی ایک نشست میں تصاویر کے ذریعے لداخ کی قدیم تہذیب اور سماجی عناصر کی نمائش کی گئی' ان تصاویر کا پس منظر تاریخی حوالوں کے ساتھ شیخ صاحب نے پیش کیا۔اس کے علاوہ انہوں نے سمینار کی دیگر نشستوں کا احوال پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انٹرنیشنل الیوسیشن فار لداخ سٹڈیز کی کمیٹی کی تشکیل اور ممبران سے متعلق آگاہی فراہم کی ہے۔

انہوں نے اس سفرنامے میں روم کے کئی مقامات اور شخصیات سے وابستہ تاریخی حقائق اور روایت کو بڑی باریک بینی سے پیش کیا ہیں جو ان کے عمیق مشاہدہ کے ساتھ ساتھ مطالعے کا بھی پتہ دیتی ہے۔انہوں نے رومن کیتھولک ''مکتبہ ایتھنز' کو لیسیئم (روم کے قدیم تھیٹر)' دریائے ٹیبر' واٹیکن کے ساتھ ساتھ کئی شخصیات جن میں ٹوچی' ڈیزی ڈیزی' رافیل' مائیکل انجلو وغیرہ کے بارے میں شاندار معلومات پیش کر کے اس سفرنامے کو جاندار بنایا ہے۔

روم میں چھ روز قیام کے بعد 12 ستمبر کو شیخ صاحب استنبول کے لیے روانہ ہوتے ہیں اور وہاں محمد علی' نذیر احمد ڈول اور نثار احمد ڈول استنبول کے سفر میں شیخ صاحب کے ساتھ ساتھ رہے اور انہی کی وساطت سے شیخ صاحب کو شہر استنبول کے مختلف مقامات کو دیکھنے میں آسانی ہوئی۔اس سفرنامہ کا مطالعہ کرنے پر یہ اخذ ہوتا ہے کہ سفرنامہ کی روداد شیخ صاحب نے صرف شہر استنبول تک ہی محدود نہیں رکھی ہے بلکہ اس میں ترکی کی تاریخ، جغرافیائی صورتحال' قدیم نوادرات اور تہذیبی وثقافتی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔جس سے یہ سفرنامہ ترکی کی سیاسی اور تاریخی دستاویز کی سی اہمیت رکھتا ہے۔استنبول شہر کی

خوبصورتی اور جغرافیائی خدوخال کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔

اس سفرنامے میں انہوں نے ترکی کی نادر تاریخی معلومات اور جغرافیائی صورتحال کے ساتھ ساتھ مقبرہ حضرت ایوب انصاریؓ کی زیارت اور اُن کی شخصیت' ماہ رمضان کی عقیدت واحترام' نیلی مسجد ومسجد سلیمانیہ کی تاریخ' مصطفیٰ کمال پاشا کے کمالات' آبنائے بوسفورس کی نزاکت' گیلی پولی کے واقعات اور ترکی کے خلاف مغربی واتحادی فوجوں کی سازشیں اور اُن کا منہ توڑ جواب' یہاں کی دیہاتی زندگی کا نقشہ اور مذہبی مقامات اور یہاں کی زبان غرض جو کچھ مصنف کی نگاہ سے گزرا ہے اس کے بارے میں شاندار معلومات پیش کر کے اس سفرنامے کو جاندار بنایا ہے۔

معلوماتی اور تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ عبدالغنی شیخ نے ترکی کے چند دلچسپ اور چونکا دینے والے حقائق بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔اس سفرنامے میں انہوں نے صاف، سادہ اور دلکش انداز میں اپنی یادوں کو قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

''سفرنامہ انگلستان اور برازیل'' میں عبدالغنی شیخ نے اپنے 1989 کے سفر انگلستان اور 1993 کے سفر برازیل کی روداد کو بیان کیا ہے۔انگلستان اور برازیل کی سیاحت کے احوال بھی جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز نے شیخ صاحب کے خصوصی شمارے میں شامل کیے ہیں۔یہ سفرنامے اس خصوصی شمارے کی زینت بننے سے پہلے اُس وقت رسالوں میں چھپ چکے تھے۔مارچ 1989ء میں عبدالغنی شیخ نے انگلستان کا سفر انٹرنیشنل ایسوسیشن فار لداخ سٹڈیز کی جانب سے ایک سیمینار میں شرکت کی غرض سے کیا۔اس سفر کے مشاہدات اور تجربات کو انہوں نے اپنے سفرنامہ میں قلمبند کیا ہے۔یہ سیمینار انگلستان میں تین

روز تک رہا۔ تاہم سمینار کے بعد شیخ صاحب سات روز تک لندن میں ہی قیام پذیر رہے۔ لندن میں ان کے کئی شاگرد اور دوست مقیم ہیں جن کی وساطت سے انہیں شہر لندن اور اس کے مضافات کو دیکھنے کا اچھا موقع ملا۔ سفرنامے میں جن مقامات کا ذکر ہے ان میں برسٹل برمنگھم، آرٹ گیلری، سائنس میوزیم، میوزیم آف مین کائینڈ، بنٹل اینڈ سمتھ، پلان ٹروسیوک میوزیم، ہائیڈ پارک، نیشنل گیلری، نیچرل ہسٹری میوزیم، جیولوجیکل میوزیم، وکٹوریہ، البرٹ میوزیم، نیلسن اور کناٹ ہال وغیرہ کے علاوہ اردگرد کے چند اور مقامات اور گاؤں بھی شامل ہیں۔

اس سفرنامے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ سفری لوازمات کے چکر میں تاخیر کے سبب شیخ صاحب کو یہ سفر اکیلا ہی کرنا پڑا اس وجہ سے انہیں کافی صعوبتیں اٹھانی پڑیں۔ جس کا ذکر انہوں نے سفرنامے کی ابتدا میں ہی کیا ہے۔

مختصراً اس سفرنامہ میں عبدالغنی شیخ نے مختصر مگر جامع انداز میں سفر کی روداد بیان کی ہے۔ کہیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جو دورانِ مطالعہ اکتاہٹ کا سبب بنے۔ بلکہ دلچسپ واقعات اور مشاہدات کو دلچسپ لب ولہجہ عطا کر کے سفرنامے کو خوب تر بنایا گیا ہے۔ سفرنامے کے دوسرے حصے میں عبدالغنی شیخ نے برازیل کے سفر کا بیان کیا ہے۔ شیخ صاحب نے برازیل کا سفر' وہاں منعقد ایک ورک شاپ میں حصہ لینے کی غرض سے کیا اور 'تعلیم' کے عنوان پر ایک پُرمغز مقالہ پیش کیا۔ اس ورکشاپ کا اہتمام سویڈین کی ایک تنظیم 'The Future Earth' نے کیا تھا۔ مندوبین کے سارے اخراجات اسی تنظیم نے برداشت کیے تھے۔ اپنے ایک ماہ قیام کے دوران انہوں نے برازیل کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی سعی کی ہے۔ اس سفرنامے میں انہوں نے برازیل کے قدرتی مناظر کی خوبصوت تصویریں پیش کرنے کے ساتھ

ساتھ وہاں کے گردو پیش کی زندگی اور تاریخی مقامات اور دلچسپ واقعات کے علاوہ نچلے طبقے کے مسائل' امیر اور غریب کی تفاوت،، معاشی تنگی جیسے مسائل پر بھی فکر انگیز خیالات رقم کیے ہیں۔

سفر نامے کی ابتداء میں انہوں نے ورکشاپ کا حال بیان کیا ہے۔ اس ورکشاپ میں دُنیا بھر سے مختلف مما لک کے مندوبین نے شرکت کی غرض سے آئے تھے، جن میں ارجنٹائن' کولمبیا' چلی' پیرو' وینیز یلا' فلپائن' سویڈن اور ہندوستان سے وابستہ افراد شامل تھے۔ سمینار کی مختلف نشستوں کی روئداد' مختلف علمی شخصیات سے گفتگو' تاریخی مقامات کی سیر اور تعلیمی اداروں کا مشاہدہ' غرض ہر چھوٹے بڑے پہلوؤ کا ذکر کر کے انہوں نے قارئین کے لئے دلچسپی کا سامان مہیا کیا ہے۔

خالد حسین خطۂ جموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پنجابی افسانہ نگار کی حیثیت کے ساتھ ساتھ وہ اردو افسانہ نگار کی حیثیت سے بھی کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ انہوں نے'' درد پانچ دریاؤں کا'' نام سے ایک سفر نامہ بھی تخلیق کیا ہے جو ان کی رواں اور شگفتہ نثر کی مثال ہے۔ انہوں نے دلکش انداز بیان، نادر لب ولہجہ اور منفرد اسلوب سے سفر نامہ کو دلچسپ بنا دیا ہے۔

'' درد پانچ دریاؤں کا'' خالد حسین کا اہم ادبی کارنامہ ہے جس میں انہوں نے دو پاکستانی اسفار کی روداد پیش کی ہے۔ پہلا سفر انہوں نے اپریل 2004 میں عالمی پنجابی کانفرنس میں شرکت کیلئے کیا تھا۔ اس کانفرنس میں ہندوستان اور پاکستان کے نامور ادیبوں، دانشوروں اور سیاست دانوں نے حصہ لیا تھا جبکہ جموں وکشمیر سے خالد حسین واحد ترجمان تھے۔ اس سفر میں انہوں نے پاکستان کی ادبی وتہذیبی صورتحال کے ساتھ ساتھ کانفرنس میں مختلف ادبی وسیاسی شخصیات سے ملاقاتوں کا

بھی ذکر کیا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے پاکستان کے مختلف شہروں کی سیاحت اور وہاں کی مہمان نوازی کو بھی صفحہ قرطاس پر کامیابی سے اتارا ہے۔

دوسرا سفر ان کا ذاتی سفر تھا جس میں ان کے ہمراہ ان کی اہلیہ نسیم فردوس بھی تھی۔ اس سفر کی ایک تاریخی اہمیت یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان نے کمان پل (اوڑی) سے راستہ کھولنے کا فیصلہ لیا، تو پہلی بار جو بس چلی، خالد حسین معہ اہلیہ کے اس بس میں سوار تھے۔28 مسافروں پر مشتمل بس جسے 'کاروان امن' کا نام دیا گیا، کی روانگی کے لیے وزیر اعظم ہند منموہن سنگھ، سونیا گاندھی اور غلام نبی آزاد کے علاوہ ریاست کے اس وقت کے وزیر اعلی مفتی محمد سعید اور دیگر وزراء 7 اپریل 2005ء سرینگر کے ٹیورسٹ سنٹر میں موجود تھے۔ یہ سفر پندرہ دنوں پر محیط تھا۔مصنف جب پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں وارد ہوتے ہیں تو انہیں دل کی نبض ڈوبتی محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کاروانِ امن کا اُن کو بھی بے صبری سے انتظار تھا۔ پاکستان وادر ہونے پر اس قافلے کا جس انداز میں استقبال ہوا، اس جذباتی کیفیت کو مصنف نے یوں بیان کیا ہے:

> پاکستانی انتظام والے جموں وکشمیر کے وزیر اعظم سردار سکندر حیات خان اور اُن کے وزراء نے ہمارا استقبال کیا۔۔۔۔۔بس میں ہمارے ساتھ ضلع مظفر آباد کے نوجوان ڈپٹی کمشنر چوہدری لطیف بیٹھے تھے۔ چکوٹی سے مظفر آباد تک کی سڑک کو پھولوں اور محرابوں سے سجایا گیا تھا۔سڑک کے دونوں اطراف لوگ پھولوں کی پتیوں سے ہمارا سواگت کر رہے تھے۔ جب بس چکوٹی سے چناری پہنچی تو وہاں ہم سب کو مقامی لوگوں نے دودھ پلایا۔ پھر بس 'امرا ساون'

پہنچی۔ وہاں مقامی لوگوں نے ہم سب میں مٹھائیاں تقسیم کیں۔
جب ہم 'گچھاں سیداں' پہنچے تو وہاں ہمیں مقامی لوگوں نے چائے
پیش کی۔''

خالد حسین کے اس سفر نامے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے پہاڑ، ندی نالوں کی تعریفوں کے بجائے ان مقامات کا تاریخی پس منظر پیش کیا ہے جہاں ان کا قیام یا گزر ہوا ہے۔ مظفر آباد سے لے کر میر پور تک جن مقامات سے ان کا گزر ہوا انہوں ان کے متعلق تاریخی اور جغرافیائی معلومات بہم پہنچانے کی کوشش ہے۔ مثلاً:

چکوال:

یہاں پنجابی ہندوؤں کا مشہور تیرتھ استھان ''کٹاس راج'' ہے
جہاں ہر سال زائرین بھارت سے آتے ہیں۔ چکوال سنگ مرمر
کے لئے مشہور ہے۔

دینہ:

'دینہ مشہور شاعر گلزار کی جنم بھومی۔'

اسی طرح کئی مثالیں موجود ہیں۔

لاہور کی خوبصورتی، شاہی مسجد کی عظمت، انارکلی بازار کی گہما گہمی، سڑکوں کا نظام، اونچی عمارتوں کی سجاوٹ، داتا گنج بخش، میاں میر صاحب اور شاعر مشرق علامہ اقبال کے مزارات کی عقیدت' باغ جناح' مینار پاکستان اور شاہی قلعے کی نزاکت' لاہور کی ادبی اور ثقافتی فضاد یکھ کر لکھتے ہیں:

''حتمی بات یہ ہے کہ لاہور کے بارے میں یہی سچ ہے کہ جس نے

لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔''

یہ عجیب اتفاق کہیے یا خوش نصیبی جن دنوں خالد حسین پاکستان گئے تھے اُن ہی دنوں لاہور میں ایک عالمی پنجابی کانفرنس ہونے والی تھی؛ جس میں پاکستانی ادیبوں اور دانشوروں کے علاوہ امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور جرمنی کے ادیب و دانشور بھی شریک تھے' انہیں اس کانفرنس میں نہ صرف شرکت کا موقع ملا بلکہ انہوں نے مذکورہ کانفرنس کی ایک نشست کی صدارت بھی کی۔

خالد حسین نے افسانہ نگار ہونے کے باوجود سفرنامے کو افسانہ نگاری کے ساتھ گڈ مڈ نہیں کیا ہے۔ سفرنامہ ''درد پانچ دریاؤں کا'' فکر و فن کے لحاظ سے اُن کا ایک اہم کارنامہ ہے جس میں انہوں نے اپنے پاکستانی اسفار سے متعلق اپنے تجربات اور احساسات کا اظہار نہایت خوش اسلوبی اور دیانتداری سے کیا ہے۔

ترنم ریاض دبستان کشمیر کی ایک قد آور اور کثیر الجہت شخصیت کی مالک ہ ادیبہ ہیں جنہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے اردو شعر و ادب میں ایسے اضافے کئے ہیں جن کی دلآویز خوشبو سے پورا چمنستان ادب معطر ہے۔ ''سفرنامہ کینیڈا'' ڈاکٹر ترنم ریاض کا سفرنامہ ہے۔ یہ سفر انہوں نے کینیڈا میں ہونے والی ایک ادبی تقریب میں شرکت کے لئے کیا ہے۔ انہوں نے کینیڈا میں 'معاصر ہندوستانی ادب' پر ایک پر مغز مقالہ پڑھنے کے علاوہ اپنی شاعری سے بھی انہیں محظوظ کیا اور کئی جگہوں پر بحث و مباحث میں بھی پھر پور حصہ لیا۔ 'سفرنامہ کینیڈا' جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف کلچر اینڈ لینگویجز سے شائع ہونے والے مجلّے 'شیرازہ' میں دسمبر 2018ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

اس سفرنامے میں ترنم ریاض نے کینیڈا کی سیاسی، تاریخی اور جغرافیائی

صورت حال پیش کرنے کے بجائے کینیڈا میں منعقد ادبی تقریب کا مختصر خاکہ' کینیڈا کی خوشحال زندگی وترقی اور وہاں کے حسین مناظر اور حضرت انسان کی ستم ظریفی' کے علاوہ کشمیر کی صورت حال پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔

سفر نامے میں انہوں نے کینیڈا میں منعقد ادبی تقریب اور اس عملی کام کے ساتھ ساتھ کینیڈا کو دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کینیڈا کی متحرک زندگی کو الفاظ کی تصاویر کی صورت میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے قارئین کو نیشنل گیلری' دلکش ہوٹلوں' ہائی پارک' نیاگرا اور برٹش کولمبیا یونیورسٹی کی بھی گھر بیٹھے سیر کرائی ہے۔ انہوں نے حکومت کینیڈا کے نظام عدل اور شہریوں کی انصاف کے تئیں محبت کے علاوہ وہاں کی خوبصورتی، شفاف دریاؤں کی روانی، جنت نظیر نظاروں کی سحر آفرینی کی نقش کشی بھی کی ہے۔

ترنم ریاض نے اگرچہ کینیڈا کی خوبصورتی کا نقشہ بڑی ہنرمندی سے پیش کیا ہے لیکن وہ اس سے مرعوب ہوتی نظر نہیں آرہی ہیں۔ یہ خوبصورتی انہیں اپنے وطن عزیز یعنی وادیٔ کشمیر کی خوبصورتی کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔

سفر نامے میں انہوں نے ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے کہ سفر شروع کرتے وقت مسافروں کی تعداد 268 تھی تاہم کینیڈا پہنچتے پہنچتے تعداد میں ایک کی اضافت ہوتی ہے۔ یہ اضافی مسافر وہ ننھی سی جان ہے جو دوران سفر جہاز میں آسمان کی بلندیوں میں ہی جنم لیتی ہے۔ اس پورے واقعہ کو ترنم ریاض نے اخلاقی اور فن کے تقاضوں کے تحت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

> تیرہ گھنٹے کے طویل سفر کے بعد جب جہاز کینیڈا کی فضائی حدود میں داخل ہوا تو 'اے۔ آئی۔ ایک سو ستاسی کے کپتان، کیپیل کوہلی نے

ٹورنٹو کے ایک ایئر کنٹرول (Air Traffic Controller) کو
ریڈیائی پیغام دیا، ''ہم نے سفر 288 مسافروں کو لے کر شروع
کیا تھا اب منزل پر پہنچنے والوں کی تعداد 289 ہوگئی ہے''

''Congratulation and welcome to
Canada."

'اے۔آئی۔سی نے واپس پیغام بھیجا۔
نیا مسافر ایک ننھی سی جان تھی۔۔۔۔اس کے والدین کلدیپ کور
اور رنجوت سنگھ کا خیال تھا کہ بچے کا جنم کینیڈا کی سرزمین پر ہوگا مگر
اس نے کرہ ارض کی فضا میں پہلی سانس لی۔''

دورانِ سفر انہوں نے جو بھی لمحہ پیش کیا ہے یا جس لمحے کی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے، وہ قاری کے دل کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتا ہے۔

ترنم ریاض نے یہ سفر نامہ فکشن کے دلکش اسلوب میں لکھا ہے۔ پورے سفرنامے پر افسانوی رنگ غالب ہے اور تخلیقی دھند چھائی ہوئی ہے۔ انہوں نے تشبیہات اور برجستہ الفاظ کے استعمال سے اپنی تحریر میں ادبیت کی شان پیدا کی ہے۔ منظر کشی کی خوبصورت مثالیں بھی ملتی ہیں اور خارجی ایشاء کے مشاہدے کے ساتھ ساتھ تخیل کی آمیزش بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے اس سفرنامے کی غیر معلومی اہمیت ہے۔

''ایران دوست دارم'' ایاز رسول نازکی کا سفرنامہ ہے۔ اس سفرنامے میں نازکی صاحب نے ایران کے دو اسفار کے احوال قلمبند کئے ہیں۔ پہلا سفر جشن نوروز میں شرکت کے لیے مارچ 2011ء میں کیا' جبکہ دوسرا سفر جنوری 2017ء میں

ایک سیمینار میں شرکت کی غرض سے کیا ہے۔ یہ مختصر سفر نامہ اس اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے کہ نازکی صاحب نے منظّم اور مربوط انداز میں جشن نوروز اور سیمینار کی مختلف نشستوں کے احوال کے علاوہ ایرانی تہذیب وثقافت، تاریخ وتمدن، فارسی زبان و ادب، مختلف مقامات ومحلات، میوزیم ومخطوطات، کتب خانوں وعجائب گھروں اور آزادیٔ نسواں وشہروں کی چمک دمک کے بارے میں قدیم وجدید معلومات فراہم کیں ہیں۔

ایران وہ ملک ہے جس کے ساتھ ہماری مذہبی، لسانی اور جذباتی وابستگی و مماثلت ہے۔ یہ ہمارے اسلاف اور بزرگان دین کی سرزمین ہے۔ یہ ہماری تہذیب اور ثقافت کا اصل منبع ہے۔ اسی سرزمین سے سید علی ہمدانیؒ وارِدِ کشمیر ہوئے۔ جن کی آمد سے یہاں مذہبی سطح پر بھی اور لسانی، معاشی اور ثقافتی سطح پر بھی ایک بڑا انقلاب برپا ہوا۔ موسیقی سے لیکر دستکاری تک' زبان وادب سے لیکر تہذیب و معاشرت تک زندگی کے ہر پہلو پر ایرانی تہذیب وثقافت کا اثر رہا۔ جو آج تک برابر جاری وساری ہے۔ اسی بناء پر کشمیر کو ایرانِ صغیر کہا جانے لگا۔ یہ اثرات ایاز رسول نازکی کے سفرنامے میں بھی صاف نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے سفر نامے کی ابتداء میں ہی ایرانی تہذیب وثقافت کا ذکر پرکشش انداز میں کیا ہے۔ انہوں نے اپنے سفرنامے میں جابجا کشمیر کی ایران سے ملتی جلتی ثقافت و معاشرت، عادات واطوار، روایات ورسومات، فنون لطیفہ اور لسانی روابط کا ذکر چھیڑا ہے اور کہیں کہیں تاریخی مقامات یا تاریخی یادگار دیکھ کر اُن کا موازنہ کشمیر کی تاریخ سے کرتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ہی بتایا گیا ہے کہ نازکی صاحب نے کئی تاریخی مقامات کا

موازنہ کشمیر کی تاریخ سے کیا ہے۔ جب انہیں دوسری مرتبہ ایران جانے کا موقع ملا' تو دوران مشاہدہ ایک میوزیم میں اُن کی نگاہ ایک انسانی ڈھانچے پر پڑی۔اس ڈھانچے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعدانہیں اپنے وطن عزیز کے علاقہ 'برزہامہ' کے کھنڈر ذہن میں آئے۔ دونوں مقامات میں مشابہت دیکھ کران کا موازنہ یوں کرتے ہیں۔

''اس مجسمے کی دریافت ہونے سے اس بات کا انکشاف بھی ہوا کہ تہران کا شہر ''رَے'' نامی بستی کو اپنے اندر سمو دیا ہوگا۔ یہ بستی لگ بھگ پانچ ہزار برس پہلے اس علاقے میں مکین انسانوں پر مشتمل تھی۔ یہ جنگجو قسم کے لوگ تھے اور زمین دوز رہتے تھے۔ مجھے یہ جانکاری حاصل ہوئی تو اپنے برزہ ہامہ کے قدیم ترین باشندے یاد آ گئے۔ وہ بھی زیرزمین اقامت گاہوں میں رہتے تھے اور وہ بھی آج سے لگ بھگ پانچ ہزار برس پہلے اس دنیا میں بودوباش کرتے تھے۔ کیا ''رَے'' اور ''برزہ ہامہ'' کے لوگوں کا آپس میں کوئی رشتہ تھا۔؟''

نازکی صاحب نے نہ صرف ایرانی تہذیب وثقافت سے گہری عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے بلکہ فارسی زبان وادبیات کے ساتھ بھی جذباتی اور روحانی وابستگی کا والہانہ اعتراف کیا ہے۔ فارسی زبان وادبیات کو کشمیری عوام نے ایرانی تہذیب و ثقافت کی مانند اپنی دھڑکنوں میں شامل کیا۔ اس سرزمین نے کئی شعراء، عالم اور فاضل پیدا کئے جنہوں نے فارسی زبان میں اپنی تخلیقات کے اعلیٰ نمونے پیش کئے۔ اگرچہ فارسی زبان وادب اور علوم وفنون کی بنیادیں پہلی جیسی مضبوط نہیں ہیں

تاہم اس کے چاہنے والے آج بھی موجود ہیں۔ یہاں تک کہ کشمیر میں ہائر اسکنڈری، کالج اور یونیورسٹی سطح پر آج بھی فارسی زبان وادب کو ایک مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ فارسی زبان و ادب کے ساتھ عقیدت و احترام کے جذبات و احساسات کو نازکی صاحب نے الفاظ کا جامہ پہنا کر ہمارے خیابانوں میں تروتازگی پیدا کی ہے۔

سفر کے دوران نازکی صاحب کی بہت ساری شخصیات کے ساتھ ملاقاتیں ہوئیں۔ جن میں شاعر، ادیب کے علاوہ عالم و فاضل بھی شامل ہیں۔ جن شخصیات کا ذکر نازکی صاحب نے سفر نامے میں کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر سعید اکبر علی شاہ جعفری، صدر ایران ڈاکٹر احمدی نژاد، پروفیسر آفتاب، پروفیسر علی، ڈاکٹر رستم شکوراو، علامہ مہجور، پروفیسر فائز، نامور گلوکار محمد اشرف شامل ہیں۔ ان میں سے چند شخصیات کی انہوں نے ایسی تصویر کشی یا یوں کہیے ان کے چھوٹے چھوٹے شخصی خاکے پیش کیے ہیں کہ ان کی شخصیت کے ظاہری خدوخال، کردار اور گفتار کے ساتھ ساتھ مزاج اور دیگر رویوں کا بھی احاطہ ہوتا ہے ہے۔ جس سے سفر نامے میں خاکہ نگاری کا سا لطف ملتا ہے۔

دوران مطالعہ سفر نامے میں بعض اقتباسات سے لگتا ہے کہ نازکی صاحب نے محقق کی آنکھ سے ہر شئے اور مقام کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ایرانی چائے کی مٹھاس اور لذت کے ساتھ ساتھ ایران میں چائے کی کاشت و پیداوار کے حوالے سے انہوں نے جزئیات کے ساتھ تفصیلات پیش کی ہیں، جس کی بدولت ایرانی چائے کی مٹھاس، اس کے اقسام کے علاوہ چائے کی پیداوار کی پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے۔

سفر نامے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کی ایاز رسول نازکی نے کوئی ایسا واقعہ یا

قصہ بیان نہیں کیا ہے جو خیالی یا فرضی ہو۔ انہوں نے جو آنکھوں دیکھا ' اور جومشاہدے اور مطالعے سے گزرا، اُن ہی واقعات اور مقامات کے بارے میں خیالات کونہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ سفرنامے کا حصہ بنایا ہے۔مثلاً مغربی ممالک کو ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ ایران میں عورتوں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد ہیں۔مغربی میڈیا نے ایرانی عورت کو بے بس اور مظلوم کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔سفرنامے میں نازکی صاحب اس حقیقت سے بھی ہمیں آشنا کراتے ہیں کہ ایران میں عورتوں پر اس طرح کی کوئی پابندی عائد نہیں ہے جس کا ڈھنڈورا مغربی میڈیا پیٹتا ہے۔ یہاں کی عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ ہر میدان میں نظر آتی ہیں۔ملاحظہ کیجیے یہ اقتباس:۔

''قیام تہران کے دوران ایک اور بات کا انکشاف ہوا۔وہ یہ کہ مغربی ذرائع وابلاغ نے ایرانی عورتوں کی مبینہ اور اُن پر ہونے والے ظلم و جبر کی جو تصویر کھینچی ہے اور سراسر بے بنیاد ہیں۔ہم نے ایرانی خواتین کو زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے شانہ بشانہ پایا۔ایرانی لڑکیاں ہر جگہ نظر آئیں۔آپ ہوٹل دیکھیں، بڑے بڑے شوروم دیکھیں، دفتر دیکھیں، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں پائیں گے جو عورتوں پر بند ہو۔''

زبان و بیان کی چاشنی بھی اس سفرنامے کی ایک خوبی ہے۔نازکی کو الفاظ کے انتخاب اور ان کے فنکارانہ برتاؤ پر خاص دسترس حاصل ہے۔ انہوں نے سفرنامے میں ایک ایک لفظ موضوع کی مناسبت سے استعمال کیا ہے اور جملوں کے خوبصورت استعمال سے سفرنامہ کو پُر لطف بنایا ہے۔اسے سفرنامے میں کہیں کہیں

افسانوی رنگ بھی دیکھنے کو ملتا ہے جو زبان و بیان کی لطافتوں اور نزاکتوں سے مزین ہے۔

مجموعی طور پر یہ سفر نامہ مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر معلومات کا ایک ذخیرہ سمیٹے ہوئے ہیں۔اس سفر نامے میں ایاز رسول نازکی نے ایرانی کی جغرافیائی و تاریخی صورت حال سے زیادہ ایران کی تہذیب و معاشرت اور ایران کے تئیں اپنی قلبی اور فکری وابستگی کا بیان کیا ہے۔

پروفیسر شہاب عنایت ملک خطۂ جموں کی ایک ہر دلعزیز شخصیت ہیں۔اپنی ہر دلعزیزی، زندہ دلی اور علم دوستی کے باعث ان کے چاہنے والے نہ صرف ملک میں بلکہ بیرون ملک میں بھی نظر آتے ہیں۔جو انہیں ہر لحظہ یاد کرتے رہتے ہیں۔اس وجہ سے انہیں ہندوستان کی تقریباً تمام ریاستوں کے علاوہ کئی بیرونی ممالک کی سیاحت بھی نصیب ہوئی ہے۔جن میں انگلستان' بنگلہ دیش' مصر' مارشس' پاکستان اور انگلستان وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔حال ہی میں اُن کے اسفار کی کتاب ''اسفار شہاب'' کے نام سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں اُن کے گیارہ سفر نامے شامل ہیں' جن کی فہرست یوں ہے:

۱۔سولن میں چار دن

۲۔دانش کدۂ سرسید کی سیر

۳۔میری پہلی لکھنو یاترا

۴۔دریائے توی سے موسیٰ ندی تک

۵۔مندروں کے شہر سے گوتم بدھ کی سرزمین تک

۶۔یاور عباس کے ساتھ پانچ دن

۷۔مملکتِ خداداد (پاکستان) میں چند روز

۸۔بنگلہ دیش کے شب و روز

۹۔جنتِ بے نظیر سے جنت بے نظیر تک

۱۰۔بازارِ حسن کے شب و روز

۱۱۔ادبی قافلہ 2018ء۔انگلستان میں 8 دن

''بازارِ حسن کے شب و روز'' شہاب عنایت ملک کے مصری سفر کی روداد ہے۔جوانہوں نے قاہرہ یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہونے والے دوروزہ عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے 15 فروری تا 25 فروری 2020ء کیا ہے۔اس سفر میں دو اور ساتھی پروفیسر خواجہ اکرام الدین اور ڈاکٹر محمد محسن بھی اُن کے ہمراہ تھے۔یہ سفر اگرچہ ایک مقصد کے تحت کیا گیا ہے' تاہم اس کے باوجود سفر نامے میں مصنف ایک سیاح کی آنکھوں سے ہر مقام اور ہر واقعہ کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔اس سفر نامے کو پڑھنے کے بعد مصر کی سیاحت کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس سفر نامے میں مصنف نے احوالِ سمینار سے لیکر قدیم تعمیرات تک،مُقدس مقامات سے لے کر طرز معاشرت تک کا ذکر نہایت سادہ اور خوش اسلوبی سے کیا ہے جو مصری معلومات کا دستاویز معلوم ہوتا ہے۔مصر جانے والوں کے لیے یہ سفر نامہ ایک گائیڈ بک سے کم نہیں ہے۔یہ سفر نامہ جموں سے روز نامہ 'اڑان' اور سرینگر سے روز نامہ 'تعمیل ارشاد' کے خصوصی ادبی صفحات میں سات قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

زیر بحث سفر نامے میں شہاب عنایت ملک نے مصر کی ادبی،تہذیبی اور معاشرتی زندگی کا بغور مطالعہ کیا ہے۔انہوں نے دورانِ سفر جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اسے نہایت دیانتداری کے ساتھ پیش کیا ہے۔سرزمینِ مصر میں انہوں نے جن جن

تعلیمی اداروں اور تاریخی مقامات کی سیاحت کی۔ اُن میں الاازھر یونیورسٹی، قاہرہ یونیورسٹی، اسکندریہ یونیورسٹی، سکندریہ لائبریری، مساجد، مقابر، شہر قاہرہ، قاہرہ میوزیم، حلوان، پورٹ سعید، ہفیوم، بحیر قارون، وادیٔ ریان، قریہ فرعونیہ، حرم سقایا، اسکندریہ چڑیا گھر، ریستوران اور پکوان کے علاوہ اُن شخصیات کا مختصر تعارف بھی پیش کیا ہے جو سفر میں ان کے ساتھ رہے اور جن کے ساتھ دوران سفر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

'مصر' ایک تاریخ اور ایک تہذیب کا نام ہے۔ یہ پیغمبروں اور اصحابِ کرام کی سرزمین ہے۔ اسی سرزمین پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر اپنا جلوہ دکھایا۔ اسی سرزمین پر زلیخا حضرت یوسفؑ کی خریدار بنی۔ یہ مقدس مقامات اور عجائبات کی سرزمین ہے۔ اس سرزمین سے ہماری جذباتی اور مذہبی وابستگی ہے۔ انہوں نے سفر نامے میں کئی جگہوں پر ایسے واقعات اور مقامات کا ذکر کیا ہے جو اسلامی تاریخ کا حصہ ہیں۔ سفر نامے کی ابتداء میں ہی ملک صاحب نے سرزمینِ مصر کی عظمت کے اعتراف میں لکھا ہے کہ:

> ''تمام اسلامی ممالک میں مصر کو کئی اعتبار سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ سرزمین انبیا کرام، صوفیا کرام، صحابہ کرام اور بڑے بڑے مذہبی بزرگوں کا مسکن بھی ہے اور قدیم تہذیب وتمدن کا گہوارہ بھی۔ اس سرزمین کا ذکر کئی دفعہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں بھی بار بار آیا ہے۔ اسی سرزمین کی ایک پہاڑی ''کوہ طور'' پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ سلام کو اپنا جلوہ بھی دکھایا تھا۔ فرعون نے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ بھی اسی سرزمین سے کیا تھا اور پھر جس طرح سے وہ غرق ہوا تھا اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہے۔ اس سرزمین کو

''بازارِ حسن'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔''

مصر کا سفر ہو اور باقیات فراعون اور فراعونیہ دور کی تہذیبی یادگاروں اور اہرام مصر کا ذکر نہ ہو سفر ادھورا محسوس ہوتا ہے۔ اس سفر نامے میں بھی شہاب عنایت ملک نے فراعنہ کے اہرام، محلات، فراعون کی لاش اور دیگر لاشیوں کے مجسموں کا ذکر اور فراعونیہ دور کی نواردات کا بھرپور احاطہ کیا ہے۔

دورانِ سفر شہاب عنایت ملک نے مصر کے بہت سارے مقدس مقامات پر حاضری دی۔ حضرت دانیالؑ، حضرت حکیم لقمانؑ، حضرت سعیدی بن العاصؓ اور سعید ابوالسراؓ، حضرت زینبؓ، حضرت سکینہؓ اور حضرت عائشہؓ امام حسین علیہ سلام کے پوتے کی بیٹی سیدہ نفیسہ، حضورؐ کی پھوپھی حضرت عطیقہؓ اور حضرت امام صدیقؓ کے بیٹے حضرت محمد علیؓ، امام شافعیؒ، شیخ عثمانؒ، سید عطا اللہ سکندریؒ، امام بوصیریؒ، علامہ ابن سیرینؒ، ابن حجر العسقلانیؒ، حضرت زین العابدینؒ کے مزارات کی زیارت کے علاوہ قلعہ صلاح الدین ایوبی، مسجد حسینی، حرم سقایا، مسجد محمد علی وغیرہ جیسے مقدس مقامات پر بھی حاضری دی۔ یہاں شہاب عنایت ملک مزارات اور مقدس مقامات کی زیارت اور مشاہدات کے دوران تقدس کو پیش نظر رکھ کر فاتحہ خوانی کی اور ہر لمحہ شائستگی اور عجز وانکساری کا دامن تھامے ہوئے نظر آتے ہیں۔ زیارات سے والہانہ عقیدت اور تڑپ انہیں اپنی طرف بار بار کھینچتی محسوس ہوتی ہے۔

''انگلستان میں آٹھ دن'' شہاب عنایت ملک کا ایک اور سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ پہلی بار جموں سے روزنامہ 'اڑان' اور سرینگر سے روزنامہ 'تعمیل ارشاد' میں 9 قسطوں میں شائع ہوا۔ اس سفر نامے میں شہاب عنایت ملک نے انگلستان کے سفری احوال، تجربات اور مشاہدات کو دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ اس سفر نامے

کے مطالعے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ شہاب عنایت ملک نے ایک ادبی قافلے کے ساتھ بحیثیت ایک سفیر کے یہ سفر کیا ہے۔اس قافلے نے انگلستان میں آٹھ دن رہ کر وہاں اردو زبان وادب کے صورت حال کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ وہاں کئی سمینارر اور مشاعرے منعقد کرائے۔ سفر نامے کے ابتداء میں ہی سفر کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ڈاکٹر تقی عابدی کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل پائی جس کے مینی فیسٹو میں یہ شامل تھا کہ مغربی ممالک جا کر وہاں اردو زبان و ادب کی صورت حال کا بغور جائزہ لیا جائے اور وہاں اردو کی ترقی وترویج کے لیے کچھ اقدامات اُٹھائے جائیں۔اس طرح ایک وفد کی صورت میں تیرہ رُکنی ٹیم ڈاکٹر تقی عابدی کی سرپرستی میں انگلستان کے مختلف شہروں کا سفر 6 جولائی 2018ء سے 13 جولائی 2018ء تک کرتے ہیں۔ اس وفد میں کنیڈا سے ڈاکٹر تقی عابدی' پاکستان سے ڈاکٹر کامران' صائمہ کامران اور فاطمہ حسن' امریکہ سے عبدالرحمٰن' ہندوستان سے پروفیسر خواجہ اکرام الدین' پروفیسر شہاب عنایت ملک' خلیل الرحمٰن اور ڈاکٹر نصرت مہدی کے علاوہ انگلستان سے شہزادہ ارمان' قیصر زیدی' فرزانہ نیناں' جاوید شیخ اور ایوب اولیا شامل تھے۔

شہاب عنایت ملک نے اس سفر نامے میں سفری روداد بیان کرنے سے پہلے اُن تمام افراد کا تعارف پیش کیا ہے جو اس سفر میں ان کے شریک تھے اور جن کے ساتھ دوران سفر ملاقاتیں ہوئیں۔اس طرح سفر نامے میں انہوں نے خاکہ نگاری کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ڈاکٹر تقی عابدی کا تعارف یوں پیش کرتے ہیں کہ اُن کی شخصیت کی تصویر سامنے آجاتی ہے:

'' ڈاکٹر تقی عابدی کا تعلق کنیڈا کے شہر ٹورینٹو سے ہے۔اس ادبی

قافلے کے روح رواں ڈاکٹر تقی عابدی ہی تھے۔ان کی سربراہی میں ہی اس قافلے نے انگلستان میں اہم ادبی کام سرانجام دیئے۔ڈاکٹر عابدی پیشے سے صحت کے ڈاکٹر ہیں۔چار درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ڈاکٹر تقی عابدی کو اُردو زبان وادب سے گہرا شغف ہے۔اُردو کی اس محبت کی وجہ سے انہیں سفیرِ اُردو بھی کہا جاتا ہے۔ اُردو کے فروغ کے لیے دُنیا کے مختلف ممالک میں انجمن آرایاں وقتاً فوقتاً کراتے آرہے ہیں۔فیض ،غالب ،میر ،انیس ان کے محبوب موضوعات ہیں۔ان موضوعات پر ڈاکٹر تقی عابدی نے بڑی ضخیم کتابیں ترتیب دی ہیں جن کی اُردو ادب میں کافی پذیرائی ہوئی ہے۔''

اس سفرنامے کے مطالعے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اس قافلے نے آٹھ روز انگلستان میں رہ کر سات سیمینار اور سات مشاعرے منعقد کرانے کے علاوہ جشن فیض کے موقع پر ایک محفل موسیقی کا بھی اہتمام کرایا۔محبان اردو سے ملاقاتیں کیں اور انگلستان میں اردو کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیتے رہے۔پہلے روز یعنی 6 جولائی تھکان کے باوجود ڈاکٹر جاوید شیخ کے دولت خانے میں جمع ہوکر ڈاکٹر تقی عابدی نے اس مشن کے اغراض ومقاصد بیان کئے۔اس کے بعد لگاتار سات روز تک یہ قافلہ مختلف شہروں میں سیمینار اور مشاعرے منعقد کراتا رہا،جس کی تفصیل یوں ہے:

تاریخ	مقام	عنوانِ سیمنار
7 جولائی	پاکستانی سفارت خانہ (لندن)	اقبالؔ کے فکر وفن

8جولائی	شہرنوٹنگھم	برصغیر کے صوفی اور قومی یکجہتی
9جولائی	شہر بریڈفورڈ	نسائی ادب
10جولائی	شہرشفلیڈ	اردو میں نعتیہ شاعری
11جولائی	مانچسٹر	کہتے ہیں غالب کا ہے انداز بیان اور
12جولائی	شہر برمنگھم	فیض احمد فیضؔ کی موجودہ دور میں اہمیت
13جولائی	شہرلندن	جشنِ فیض

ان سمیناروں کے علاوہ انہی مقامات پر بعد از سمینار مشاعروں کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں بھاری تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ البتہ 'جشنِ فیض' کے موقع پر مشاعرے کے بدلے محفل موسیقی کا اہتمام کیا گیا۔ یہاں پر یہ بات کہتے چلوں کہ اس سمینار میں نہ صرف وفد کے ممبران نے مقالے پیش کئے بلکہ وہاں منتظمین سمینار نے بھی فکر انگیز مقالے اور آراء پیش کئے۔ دوسری بات یہ کہ سمینار کے بیشتر افتتاحی خطبے وفد کے امیر ڈاکٹر تقی عابدی نے پیش کیے ہیں، جسے اُن کی علمی اور ادبی صلاحیت کا احساس ہوتا ہے۔ انہی صلاحیتوں کی بنا پر انہیں پہلے ہی روز پاکستانی سفارت خانہ (لندن) کی جانب سے ''سفیر اردو'' کے اعزاز سے نوازا گیا۔

5 نومبر تا 10 نومبر 2019 پروفیسر شہاب عنایت ملک نے ایک ادبی نشست میں شرکت کی غرض سے بنگلہ دیش کا سفر کیا۔ جس کی روداد انہوں نے اپنے سفرنامہ ''بنگلہ دیش کے شب و روز'' میں بیان کی ہے۔ پروفیسر ملک نے وہاں 'ہندوستان میں اردو کی صورت حال آزادی کے بعد' کے عنوان سے ایک پُر مغز اور فکر انگیز خطبہ پیش کیا جس کے چند اقتباسات انہوں نے سفر نامے میں بھی درج

کئے ہیں۔اس سفر نامے میں انہوں نے بڑی باریک بینی سے پیش آنے والے ہر چھوٹے بڑے واقعے کو سفر نامے کا حصہ بنایا ہے۔ بنگلہ دیش کا وجود و سیاسی صورتِ حال، مختلف ادبی اور ثقافتی نشستوں کے احوال، ڈھاکہ یونیورسٹی کا قیام اور منتظمین کی کوششیں، معیارِ تعلیم، تاریخی مقامات اور واقعات کے مشاہدات، بنگلہ زبان کا بول بالا، مختلف شخصیتوں سے ملاقاتیں ان سب کے علاوہ سڑکوں کی ناگفتہ بہ حالت، رکشہ والوں کی بھیڑ بھاڑ، حکومت کی کارستانی، پکوان کی لذتیں، عوام کی کسمپرسی، مہاجروں پر عائد پابندیاں، وغیرہ جیسے معاملات انہوں نے سفر نامے میں زیر بحث لائے ہیں۔غرض اس سفر نامے کے مطالعے کے بعد پورے بنگلہ دیش کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ سفر نامہ بھی شہاب عنایت ملک کے باقی سفر ناموں کی طرح جموں سے روز نامہ ''اڑان' اور کشمیر سے روز نامہ ''تعمیل ارشاد' میں سات قسطوں میں چھپ چکا ہے۔

دوران سفر انہوں نے بنگلہ یش کی اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ان ملاقاتوں میں زیر بحث موضوعات مثلاً وہاں کی سیاسی، ادبی، تعلیمی، ثقافتی سرگرمیوں کو بھی سفر نامے کا حصہ بنایا ہے۔ سفر نامے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جن جن شخصیات سے ملاقات ہوئی' اُن کا تذکرہ لازم سمجھتے ہیں۔اس طرح چاہنے والوں' ملنے والوں' دوستوں اور عزیزوں کے بارے میں خوبصورت تذکرے جا بجا ملتے ہیں۔جس میں اُن کی علمی اور ادبی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں اور معلومات آفریں احوال سامنے آجاتے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ سفر نامہ پڑھ کر کہا جاسکتا ہے کہ شہاب عنایت ملک سفر کی کہانی لکھ نہیں رہے ہیں بلکہ کہانی بیان کر رہیں ہے ہیں اور آنکھوں دیکھا حال سنا

رہے ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ سفر نامہ دلچسپ اور پُر لطف ہے۔ اپنے سہل، رواں اسلوب اور معلوماتی بیان سے یہ ایک کامیاب سفر نامہ ہے۔

''قطر نامہ'' نظام الدین شاہ کا سفر نامہ ہے۔ یہ سفر انہوں نے اپنی دختر عزیز اور دامادِ محترم کی دعوت پر قطر کی سیر و سیاحت کی غرض سے کیا تھا۔ اس سفر نامے میں انہوں نے اپنے سفری احوال نہایت ہی خوبصورت انداز میں بیان کئے ہیں۔ سفر نامے کی ابتدا افسانوی انداز میں ہوئی ہے، جو لائق ستائش ہے۔ اس دلکش ابتدائیہ کے بعد سولہ عنوانات کے تحت اقتباسات لکھے ہیں، جن میں وہاں کی جغرافیائی صورتحال، آب وہوا، آبادی ، رقبہ کے ساتھ ساتھ وہاں کی خوبصورتی، باغات، سڑکیں، عبادت گاہیں، طرز رہائش، جدید تعمیرات، کھانے پینے کے طور طریقے اور معاشرت' گویا ہر چھوٹے بڑے پہلو کے حوالے سے عمدہ معلومات پیش کئے ہیں۔ ذیل کے اقتباس میں دیکھئے کیسے انہوں نے قطر کے لباس کا نقشہ کھینچا ہے:

> ''قطر والوں کا قومی لباس سفید ثوب یعنی کندھوں سے ایڑیوں کا لمبا کُرتا، سر پر سفید ہی صاف ستھری کندھوں پر پھیلی چادر جس کے اوپر کالے رنگ کا ہالہ سر کے گرداگرد اور پیچھے کمر تک لٹکی ہوئی سیاہ ڈور، عام لوگوں کے چہرے پر مختصر ترشی ہوئی مختصر مخطوط داڑھی، یا مغربی طرز کی صاف حجامت، زنانہ ملبوسات میں عربی یا میموں والا ڈریس جس کے اوپر سیاہ عبایا سر سے پاؤں تک۔''

قطر کی آب وہوا اور معاشرت کے ساتھ ساتھ وہاں کی آبادی کے بارے میں قاری تک معلومات پہنچانے کی سعی کرتے ہیں۔ دوران مطالعہ ایک اہم بات سامنے آجاتی ہے کہ قطر کی آبادی کا بیشتر حصہ دوسرے ملکوں سے جا کر بسنے والوں

تاجروں اور ملازمین کا ہے۔ یہ لوگ روزگار کے سلسلے میں یہاں ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں۔

نظام الدین کے کئی شاگرد قطر میں مقیم ہیں۔ جو مختلف پیشوں سے وابستہ ہیں۔ جب انہیں نظام الدین کے آنے کی خبر ملی تو وہ سبھی اُن سے ملاقی ہوئے اور اُن کے اعزاز میں محفلیں سجائیں۔ ان محفلوں میں بھی نظام الدین نے اپنے دانشورانہ انداز کو برقرار رکھتے ہوئے علمی بحث اور موجودہ حالات پر تبادلۂ خیال کیا۔ سفرنامے میں اس کے علاوہ بھی متعدد معلومات اور واقعات کا بیان ہے جو اپنے اندر جاذبیت اور کشش رکھتے ہیں۔

سفرنامے میں نظام الدین کا منفرد اسلوب جا بجا جلوہ گر ہے۔ انہوں نے اپنی تحریر میں تشبیہات اور محاورات کے استعمال سے ادبیت کی چاشنی پیدا کی ہے۔ اس شگفتہ اسلوب بیان کی بناء پر اس سفرنامے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سفرنامے میں مصنف نے قطر کی بہترین تصویر کشی کی ہے اور قطر کی تہذیبی اقدار، مقامات و مناظر اور ذاتی تجربات کا ذکر منفرد انداز میں کیا ہے۔

ڈاکٹر الطاف انجم جموں و کشمیر کے ایک منجھے ہوئے استاد اور نقاد مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے کم عمری میں ہی اردو کے سنجیدہ علمی اور ادبی حلقوں میں اپنا نام ایک مابعد جدید نقاد کی حیثیت سے منوانے میں کامیابی حاصل کی۔ انہیں تنقیدی تھیوری سے دلچسپی ہے۔ ''اردو میں مابعد جدید تنقید'' کتاب لکھ کر انہوں نے اپنی ایک الگ پہچان قائم کی ہے۔ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر انہوں کئی ممالک سے سیمیناروں میں شرکت کی دعوتیں موصول ہوتی رہتی ہیں۔ انہوں نے ملک کے مختلف خطوں کے ساتھ ساتھ بیرون ممالک کے کئی ادبی اسفار کیے ہیں۔ جن میں ترکی،

ایران اور پاکستان شامل ہیں۔ زیرِنظر سفرنامہ ''فکری اور جذباتی ہم آہنگی کی تلاش کا سفر'' پاکستان کے سفر کی روداد ہے۔ یہ سفر انہوں نے ایک ادبی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے کیا ہے۔ یہ سفر نامہ کلچرل اکادمی کے ماہانہ مجلّے شیرازہ میں شائع ہوا ہے۔ اس سفرنامے کے مطالعے سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ الطاف انجم نے اس سفرنامے کو لکھنے میں عجلت سے کام لیا ہے اور یہ تحریر، سفرنامے کے صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس سفرنامے میں الطاف انجم نے تہذیب وثقافت اور معاشرت اور دیگر جغرافیائی اور تاریخی واقعات پر سطحی نظر ڈالی ہے۔ برعکس اس کے انہوں نے دل پر گزری کیفیات اور اپنے تاثرات کو ہی وسیلہ اظہار بنایا ہے۔

جب الطاف صاحب کو پاکستان جانے کی دعوت موصول ہوئی اس وقت وہ ایران کے سفر پر تھے۔ ایران سے پہلے وہ ترکی جا چکے تھے، لیکن ابھی تک انہوں نے صرف پاکستان کے سفر کو ہی قلم بند کیا ہے۔ کانفرنس میں الطاف انجم کو جب مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی تو ان کا استقبال بڑے والہانہ انداز میں کیا گیا۔ جس کا اعتراف ڈاکٹر الطاف انجم نے یوں کیا ہے:

> ''جوں ہی میرا نام مقالہ کی پیش کشی کے لیے پکارا گیا تو سارا کانفرنس ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ظاہر ہے حاضرین کی یہ پُر جوش محبت میرے لیے کم اور اُس مشہور علاقے سے زیادہ تھی جسے عرفِ عام میں جنت نظیر کشمیر کہتے ہیں۔ ناظمِ جلسہ نے مجھے اپنا بھرپور تعارف پیش کرنے کی بھی گزارش کی۔ اسٹیج پر پہنچتے ہی جب مجھے اپنا تعارف پیش کرنے کی نوبت آئی تو اتفاق سے استادِ مرحوم ڈاکٹر فرید پربتی کی ایک رباعی یاد آئی جسے پڑھ کر میں نے اپنا تعارف کرایا اور

یوں حاضرین نے تالیوں سے استقبال کیا:۔

میں حسن ہوں اور حسن کی جاگیر سے ہوں
واقف میں ہر ایک خواب کی تعبیر سے ہوں
کہتے ہیں مجھے یوسفِ ثانی اے دوست
کنعاں سے نہیں ، وادیٔ کشمیر سے ہوں

اس سفرنامے میں الطاف انجم نے جہاں کانفرنس سے متعلق تمام جزئیات کا نقشہ تفصیلاً کھینچا ہے۔ وہیں انہوں نے چند تفریحی و تاریخی مقامات، مساجد اور مزارات کی زیارت کے ساتھ ساتھ ہوٹلوں کی ضیافتوں، سڑکوں کی نزاکتوں اور بازاروں کے حسین و جمیل مناظروں کا مختصراً بیان کیا ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ الطاف انجم نے سفر نامے میں مورخانہ اور محققانہ انداز اپنانے کے بجائے اپنے احساسات اور جذبات کو ہی وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ اس کے باوجود بھی انھوں نے چند ایک مقامات کا تاریخی پس منظر کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

الطاف انجم چونکہ تنقید سے وابستہ ہیں، اور تنقید کی زبان استدلالی ہوتی ہے اس سبب قاری بوریت محسوس کرتا ہے۔ لیکن زیر بحث سفرنامے میں الطاف انجم نے الفاظ کا نہایت خوبصورت انتخاب کیا ہے اور خوبصورت انداز میں معنی و اختصار اور ادبی رکھ رکھاؤ سے سفرنامے میں جان ڈال دی ہے۔ کہیں شاعرانہ انداز، کہیں افسانویت، کہیں تخیل کے بل لوتے پر، کہیں شگفتہ مزاجی کی جھلکیاں، تو کہیں محاورات کے استعمال سے قاری کو بھی شریک سفر کراتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ الطاف انجم نے کئی ممالک کا سفر کیا ہے اور وہ سفر کی تہذیب سے بخوبی واقف ہیں۔ اس کا انداز زیر بحث سفرنامے میں جا بجا دیکھنے کو ملتا ہے۔ انہوں نے بڑی دلچسپی سے سفرنامے کا آغاز کیا

ہے اور ایک بیدار مغز اور فرض شناس مسافر کی طرح مسافت کی منزلیں طے کرتے ہوئے جس انداز سے سفر کا اختتام کیا ہے' اس کے لئے بس یہی دُعا منہ سے بے ساختہ نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں علم و عمل کی بلندیوں سے نوازے اور انہیں ایسے کئی اسفار نصیب فرمائیں۔

جموں و کشمیر میں اردو سفر نامے کی روایت کا جائزہ لیتے ہوئے اس بات کا شدید احساس ہوتا ہے کہ ابھی کئی ایسے صاحب قلم ہیں جنہوں بیرون ملک کا سفر کیا ہے اور وہ اپنے سفر کی روداد لکھ سکتے ہیں ۔امید ہے کہ مستقبل قریب میں ہمیں مزید سفر نامے پڑھنے کو ملیں گے۔

☆☆☆